

میں باندھیں گے۔“

سونا کہاں گئی؟ سٹھانی کی دوکان سے تھوڑا کالا ڈرامنگوا لو، گاتے کو  
ڈیٹھ (نظر، بہت لگتی ہے۔“  
”آج میرے من کی بڑی بھاری سادھ پوری ہو گئی۔“

دھینا اپنی دلی مسرت کو دل ہی میں رکھنا چاہتی تھی۔ اتنی بڑی نعمت اپنی  
ساتھ کوئی زحمت نہ لائے، اس اندیشہ سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ آسمان  
کی طرف تاک کر بولی ”گاتے کے آنے کا آئندہ تو جب ہے کہ اس کا پورا  
قدم بھی اچھا ہو۔ بھگوان کے من کی بات ہے۔“

گویا وہ بھگوان کو بھی دھوکا دینا چاہتی تھی۔ بھگوان کو بھی دکھانا چاہتی  
تھی کہ اس گاتے کے آنے سے اسے اتنی خوشی نہیں ہوئی کہ حسد ہی بھگوان  
سکھ کا پلٹا ادا پنا کرنے کے لئے کوئی نئی پتیا بھیج دیں۔

وہ ابھی آنا گھول رہی تھی کہ گوبر گاتے کو لئے بچوں کے ایک جلسوں کے  
ساتھ دروازے پر آ پہنچا۔ ہواری دودھر گر گاتے کے گلے میں پٹ گیا۔ دھینا  
نے آٹا چھوڑ دیا اور جلدی سے ایک پرانی ساڑی کا کالا کنارا بھاڑ کر گاتے کے  
گلے میں باندھ دیا۔

ہواری بھگتی بھری لگا ہوں سے گاتے کو دیکھ رہا تھا جیسے سا چچا ت (مجم،  
دیوی جی نے گھر میں قدم رکھا ہو۔ آج بھگوان نے یہ دن دکھایا کہ اس کا گھر گنو  
اتاکے چرتوں سے پوتر ہو گیا۔ ایسے اچھے بھاگ! سجانے کس کے پن کے  
پھل سے؟

دھینا نے گھر کر کہا ”کھڑے کیا ہو آنگن میں ناندگاڑ دو۔“  
”آنگن میں جگہ کہاں ہے؟“

”بہت جگہ ہے“

”میں تو باہری گاڑتا ہوں“

”پاگل نہ بنو۔ گانوں کا حال جان کر بھی انجان بنتے ہو۔“

”جو بات نہیں جانتے اس میں ٹانگ نہ اڑایا کرو۔ دنیا بھر کی بدیا تم

ہی نہیں پڑھے ہو۔“

ہواری پریچ آپے میں نہ تھا۔ گائے اس کے لئے صرف بھگتی کی چیز نہ تھی بلکہ زندہ دولت تھی۔ وہ اس سے اپنے دروازے کی رونق اور گھر کی عظمت بڑھانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگ گائے کو دروازے پر بندھی دیکھ کر کہیں کہ یہ کس کا گھر ہے؟ لوگ کہیں، ہواری ہتھو کا جھبی لڑکی والوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ آنگن میں بندھی تو کون دیکھے گا؟ دھینا اس کے خلاف خوف کھا رہی تھی۔ وہ گائے کو سات پردوں کے اندر چھپا کر رکھنا چاہتی ہے اگر گائے آنکھوں پہر کوٹھری میں رہ سکتی تو وہ شاید اسے باہر نہ نکلنے دیتی۔ یوں تو ہر بات میں ہواری کی جیت ہوتی تھی۔ وہ اپنی بات پر اڑا جاتا تھا اور دھینا کو دب جانا پڑتا تھا مگر آج دھینا کے سامنے ہواری کی ایک نہ چلی۔ دھینا لڑنے پر تیار گئی۔ گو بر سونا اور روپا غرض کہ سارا گھر ہواری کی طرف تھا۔ مگر دھینا نے تنہا سب کو شکست دی۔ آج اس میں ایک عجیب خود اعتمادی اور ہواری میں ایک جُش اُنکسار کا ظہور ہو گیا تھا۔

مگر تماشا کیسے رک سکتا تھا؟ گائے ڈولی میں بیٹھ کر تو آئی نہ تھی، یہ کیسے ممکن تھا کہ گانوں میں اتنی بڑی بات ہو جائے اور میلا نہ لگے۔ جس نے مناسب کام کاج چھوڑ کر دیکھنے دوڑا۔ وہ معمولی دیسی گائے نہیں ہے۔ بھولا کے گھر سے اتنی روپے میں آئی ہے۔ ہواری اسی روپے تو کیا دیں گے؟

پچاس ساٹھ روپے میں لاتے ہوں گے گاؤں کی تاریخ میں پچاس ساٹھ روپیوں کی گائے کا آنا بھی انہونی بات تھی۔ بیل تو پچاس کے بھی آئے، سوکے بھی آئے مگر گائے کے لئے اتنی بڑی رقم کسان کیا کھا کر خرچ کرے گا؟ یہ تو گواہوں ہی کا کیلجہ ہے کہ انجلیوں روپے گن آتے ہیں۔ گائے کیا ہے محم دیوی کا روپ ہے۔ تماشائیوں اور نقادوں کا تانتا لگا ہوا تھا اور ہوری دوڑ دوڑ کر سب کی آؤ بھگت کر رہا تھا۔ اتنا منکسر مزاج، اتنا خوش وہ کبھی نہ تھا۔

ستر سال کے بوڑھے پنڈت داتا دین لاٹھی ٹپکے ہوئے آئے اور پوپے منہ سے بولے: ”کہاں ہو ہوری؟ تنگ ہم بھی تمہاری گائے دیکھ لیں، سنا بڑی سندر ہے۔“

ہوری نے دوڑ کر یا لاگن کیا اور دل میں متکبرانہ مسرت کے مزے لیتا ہوا بڑی خاطر سے پنڈت جی کو محن میں لے گیا۔ پنڈت نے گائے کو اپنی برائی اور تجربہ کار نگاہوں سے دیکھا، سینگیں دیکھیں، نھن دیکھا، پیٹھے دیکھے اور گھنی، اجلی بھوؤں کے نیچے چھپی ہوئی آنکھوں میں جوانی کی امنگ بھر کر بولے: ”کوئی دوکھ (عیب) نہیں ہے بیٹا، بال بھونری سب ٹھیک بھگوان چاہیں گے تو تمہارے بھاگ بھل جائیں گے۔ ایسے اچھے بچن ہیں کہ واہ! بس رات نہ کم ہونے پادے۔ ایک ایک بچھواسو سو کا ہو گا۔“

ہوری نے خوشی کے سمندر میں ڈبکیا لگاتے ہوئے: ”سب آپ کی آسیر باد ہے بابا۔“

داتا دین نے سُرئی کی پیک تھوکتے ہوئے کہا: ”میرا شیر باد نہیں ہر

بیٹا، بھگوان کی دیا ہے۔ یہ سب بھگوان کی دیا ہے۔ دوپٹے نگد دے؟“  
 ہوئی نے بے پر کی اڑائی۔ اپنے مہاجن کے روبرو بھی اپنی امیری  
 دکھانے کا ایسا اچھا موقع وہ کیوں ہاتھ سے جانے دے؟ ٹکے کی نئی ٹوپی  
 سر پر رکھ کر جب ہم اکرٹنے لگتے ہیں، ذرا دیر کے لئے کسی سواری پر بیٹھ کر  
 جب ہم آسمان پر اڑنے لگتے ہیں تو اتنی بڑی نعمت پا کر اس کا دماغ کیوں  
 نہ آسمان پر چڑھ جائے؟ بولا۔ بھولا ایسا بھلا مانس نہیں ہے مہراج، نگد  
 گناے، پورے، چوکس!“

اپنے مہاجن کے سامنے یہ ڈینگ مار کر ہوئی نے نادانی تو کی تھی  
 مگر تادمین کے چہرے پر مسخیری کی کوئی علامت نہ نظر آئی۔ اس کہنے میں  
 کتنی سچائی ہے، یہ ان کی ان سبھی ہوئی آنکھوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا  
 جن میں روشنی کی جگہ تجربہ چسپا ہوا بیٹھا تھا۔ خوش ہو کر بولے: ”کوئی ہرج  
 نہیں بیٹا، کوئی ہرج نہیں! بھگوان سب اچھا کریں گے۔ پانچ دودھ ہو  
 اس میں، بچے کے لئے چھوڑ کر؟“

دھینا نے فوراً ٹوکا۔ ارے نہیں مہراج، اتنا دودھ کہاں؟ بڑھیا  
 تو ہو گئی ہے، پھر یہاں راست کہاں دھرا ہے؟

تادمین نے بھیہ بھری نگاہوں سے دیکھ کر اس کی چوکی کی داد  
 دی، جیسے کہہ رہے ہوں: ”گرستن کا یہی دھرم ہے، دون کی لیسن  
 مزدوں کا کام ہے، انھیں کرنے دو۔“ پھر ویسے ہی لہجے میں بولے: ”باہر  
 باندھنا اتنا کہہ دیتے ہیں۔“

دھینا نے شوہر کی حرف نعت نہ نگاہوں سے دیکھا گویا کہہ ہی  
 ہو۔ ”لاب تو مانو گے۔“ پھر

داتا دین سے بولی۔ "ہنیں مہراج، باہر کیا باندھیں گے؟ بھگوان دیں تو اسی آنگن میں تین گائیں اور بندھ سکتی ہیں۔"

سارا گاؤں گائے دیکھنے آیا، ہنیں آئے تو سو بھیا اور ہیرا جو گئے بھائی تھے۔ ہوڑی کے دل میں بھائیوں کے لئے اب بھی جگہ تھی۔ وہ دونوں اگر دیکھ لیتے اور خوش ہو جاتے تو اس کی دلی خواہش پوری ہو جاتی۔ شام ہو گئی؟ نوٹ آئے اسی دروازے سے نکلے مگر پوچھا کچھ نہیں۔ ہوڑی نے دُرتے دُرتے دھینا سے کہا: "نہ سو بھیا آیا، نہ

ہیرا سنا ہو گا۔"

دھینا بولی: "تو یہاں کون انھیں بلانے جاتا ہے۔" تو بات تو سمجھتی نہیں، لڑنے کو تیار رہتی ہے۔ بھگوان نے جب یہ سن دکھایا ہے تو ہمیں سر جھکا کر چلنا چاہیے۔ آدمی کو اپنے سگون کے منہ سے اپنی بھلائی برائی سننے کی جتنی اچھا ہوتی ہے۔ اتنی باہر دالوں کے منہ سے نہیں۔ پھر اپنے بھائی لاکھ بڑے ہوں تو اپنے بھائی ہی ہیں۔ اپنے حقے بچھرے (بخرے) کے لئے سمجھی لڑتے ہیں مگر اس سے کھون (خون) تھوڑے ہی بدل جاتا ہے۔ دونوں کو بلا کر دکھا دینا چاہیے، نہیں تو کہیں گے کہ گائے لائے اور ہمیں بتایا تک نہیں۔"

دھینا نے ناک سیکڑ کر کہا: میں نے تم سے سو بار، لاکھ بار کہہ دیا کہ میرے منہ پر اپنے بھائیوں کا بکھان نہ کیا کرو، ان کا نام سکر میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ سارے گاؤں نے سنا، کیا انھوں نے نہ سنا ہو گا؟ کچھ اتنی دور بھی تو نہیں رہتے۔ سارا

گالوں دیکھنے آیا، اُن ہی کے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی تھی۔ مگر آدیں کیسے؟  
جلن ہو رہی ہوگی کہ اس کے گھر گھائے آگئی۔ چھاتی بھٹی جاتی ہوگی۔“

جراغ جلانے کا وقت آگیا تھا، دھنیا نے جا کر دیکھا تو بوتل میں مٹی  
کا تیل نہ تھا۔ بوتل لے کر تیل لانے چلی گئی۔ پیسے ہوتے تو روپاکو بھیجتی۔  
ادھار لانا ہے، کچھ لٹو چو کرے گی جب ہی تیل ادھار ملے گا۔

ہواری نے روپاکو بلا کر پیار سے گود میں بٹھایا اد۔ کہا  
”بتک جا کر دیکھ، سیرا کا آگئے ہیں کہ نہیں۔ سو بھا کا کا کو بھی دیکھتی  
آنا۔ کہنا کہ دادا نے تمہیں بلایا ہے۔ نہ آؤں تو ہاتھ پکڑ کر کھینچ لانا۔“  
روپا ٹھنک کر بولی۔ تھوٹی کاکی مجھے ڈانٹتی ہے۔“

”کاکی کے پاس کیا کرنے جاتے گی؟ پھر سو بھا کی گھر والی تو تجھے  
پیار کرتی ہے۔“

”سو بھا کا کا مجھے چڑھاتے ہیں، کہتے ہیں۔ میں نہ کہوں گی۔“

”کیا کہتے ہیں، بتا۔“

”چڑھاتے ہیں۔“

”کیا کہہ کر چڑھاتے ہیں؟“

”کہتے ہیں کہ تیرے لئے۔ موس پکڑ رکھا ہے، اے جا، بھون کر

کھائے۔“

ہواری کے دل میں گہ گہ سی پیدا ہوئی۔

”تو کہتی نہیں کہ پہلے تم کھاؤ، تب میں کھاؤں گی؟“

”اماں منع کرتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ ان لوگوں کے گھر نہ جایا کرو۔“

”تو اماں کی بیٹی ہے کہ دادا کی؟“

رہ پانے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا: "ااں کی!" اور منہ بند  
 لگی۔

تو پھر میری گودی سے اتر جا: آج میں تجھے اپنی بھتیجی میں نہ  
 کھلاؤں گا۔"

گھر میں ایک ہی پھول کی بھتیجی تھی۔ ہوتی اسی میں کھاتا تھا بھتیجی  
 میں کھانے کی عزت پانے کے لئے روپا ہوتی کے ساتھ کھاتی تھی۔ اس  
 عزت کو وہ کیسے چھوڑے؟ ہنک کر بولی "اچھا تمھاری!"  
 "تو پھر میرا کہنا مانے گی کہ ااں کا؟"

"تمھارا۔"

"تو جا کر بیٹرا اور سو بھیا کو پکڑ لائے۔"

"اور جو ااں بگڑے؟"

"ااں سے کہنے کون جائے گا؟"

روپا کو دتی ہوئی ہیرا کے گھر چلی۔ عداوت کا جال بڑی بڑی بھتیجی  
 کو پھنساتا ہے۔ چھوٹی پھلیاں یا تو اس میں پھنسی ہی نہیں یا فوراً نکل بھاگتی  
 ہیں۔ ان کے لئے وہ مارنے والا جال کھیل کی چیز ہے، ڈر کی نہیں بھائیوں  
 سے ہوتی کی بول چال بند تھی مگر روپا دونوں گھروں میں آتی جاتی  
 تھی۔ بچوں سے کیا بیز؟

مگر روپا گھر سے نکلی ہی تھی کہ دھینا تیل لئے ہوئے مل گئی۔  
 پوچھا "سانجھ کی بریا (دقت) کہاں جاتی ہے؟ چل گھر!" روپا  
 کو خوش کرنے کی لالچ کو نہ روک سکی۔

دھینا نے ڈانٹا "چل گھر، کسی کو بلانے نہیں جانا ہر۔"

رَوَپا کا ہاتھ پکڑے ہوئے وہ گھڑ لائی اور ہوڑی سے بولی : ”میں نے تم سے لاکھ بار کہہ دیا کہ میری لڑکی کو کسی کے گھر نہ بھیجا کر دیکسی نے کچھ کر کر دیا تو میں تجھ سے لے کر چاٹوں گی ؟ ایسا ہی بڑا پریم ہے تو آپ کیوں نہیں جاتے جان پڑتا ہے کہ ابھی پیٹ نہیں بھرا۔“

ہوڑی نا اندھا رہا تھا، ہاتھوں میں مٹی پلپٹے ہوئے سنی ان سنی کر کے بولا : ”کس بات پر بگڑتی ہے بھائی ؟ یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ اندھے بکتے کی طرح ہو پر بھونکا کرے۔“

دھنیا کو کپٹی میں تیل بھڑنا تھا۔ اس وقت جھگڑانہ بڑھانا چاہتی تھی رَوَپا بھی لڑکوں میں جا ملی۔

پہرات سے زیادہ جا چکی تھی، نا اندر چکی تھی، بھوسہ کھل ڈال دی گئی۔ گائے من مارے اُداس بیٹھی تھی، جیسے کوئی بہو سسرال آتی ہو۔ نا اند میں منہ تک نہ ڈالتی تھی۔ ہوڑی اور گوہر کھانا کھا کر آدھی آدھی ردی اس کے لئے لائے، مگر اس نے سونگھا تک نہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی جانوروں کو بھی اکثر کھانا چھوٹ جلنے کا دکھ ہوتا ہے۔

ہوڑی باہر کھاٹ پر بیٹھ کر حلیم پینے لگا تو پھر بھائیوں کی یاد آئی۔ نہیں، آج اس سمجھ کے (مبارک وقت) پر بھائیوں سے بے پردہ ہی نہیں برت سکتا۔ اس کا دل پونجی پا کر بڑا ہو گیا تھا۔ بھائیوں سے جسدا ہو گیا ہے تو کیا ہوا ؟ اُن کا بیری تو نہیں ہے ! یہی گائے تین سال پہلے آئی ہوتی تو سبھی کو اُس پر برابر کا حکم (حق) ہوتا اور کل کو یہی گائے دودھ دینے لگے گی تو کیا وہ بھائیوں کے گھر دودھ نہ بھیجے گا۔ کیا وہ نہ بھیجے گا ؟ ایسا تو اس کا دھرم نہیں ہے۔ بھائی اس کا بڑا چیتیں، پردہ



کیوں اُن کا برا چیتے؟ اپنی اپنی کرنی تو اپنے اپنے ساتھ ہی۔

اس نے ناریل کھاٹ کے پائے سے لگا کر رکھ دیا اور ہیرا کے گھر کی طرف چلا۔ سو بھلا کدھر بھی آدھر ہی تھا۔ دونوں اپنے اپنے دروازے پر پڑے ہوئے تھے۔ کافی اندھیرا تھا۔ ہوڑی پر اُن میں سے کسی کی نظر نہیں پڑی تھی۔ دونوں میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں ہوڑی رک گیا اور باتیں سننے لگا۔ ایسا آدمی کہاں ہے جو اپنا چرچاسن کر ہٹ جائے؟

ہیرا نے کہا: ”جب تک ایک میں تھے، ایک بکری بھی نہیں لی، اب بچھائیں گائے لی جاتی ہے۔ بھائی کا حک (حق) مار کر کسی کو پھلتے پھولتے نہیں دیکھا۔“

سو بھلا بولا ”یہ تم اینا لے کر رہے ہو، ہیرا! بھتیانے ایک ایک پیسے کا حساب دے دیا۔ یہ میں کبھی نہ مانوں گا کہ انھوں نے پہلے کی کمائی چھپا رکھی تھی۔“

”تم مانو چاہے نہ مانو پر ہے یہ پہلے ہی کی کمائی۔“

”کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگانا چاہیئے۔“

”اچھا تو یہ روپے کہاں سے آگئے؟ کہاں سے تین برس پڑا؟

اتنے ہی کھیت تو ہمارے پاس بھی ہیں، اتنی ہی آٹج ہماری بھی ہے، پھر کیوں ہمارے پاس کچھ (کفن) کو کوڑی نہیں ہے اور ان کے گھر نئی گائے آتی ہے؟“

”اُدھار لاتے ہوں گے۔“

”بھولا اُدھار دینے والا آدمی نہیں۔“

”کچھ بھی ہو، گائے ہے بڑی سُندر۔ گو تر لے آتا تھا تو میں نے

رستے میں دیکھا۔“

تبے ایانی کا دھن جیسے آتا ہے ویسے ہی چلا جاتا ہے۔ بھگوان چاہیں گے تو گلے گھر میں بہت دن نہ رہے گی۔“

ہواری سے اور نہ سنا گیا۔ وہ گئی گزری باتوں کو بھلا کر اپنے دل میں پریم اور اپنا دوا بھرے ہوئے بھائیوں کے پاس آیا تھا۔ اس صدمے نے جیسے اس کے دل میں سوراخ کر دیا اور وہ برادرانہ جذبہ اس میں کسی طرح نہ ٹھہر سکا۔ جی میں آیا کہ اسی وقت حملے کا جواب دے، مگر بات بڑھ جانے کے ڈر سے چپ رہ گیا۔ مگر اس کی نیت صاف ہے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ بھگوان کے آگے وہ نہ دوکھ (بے گناہ) ہے، دوسروں کی اسے پرواہ نہیں ہے۔ الٹے پاؤں لوٹ آیا اور وہی جلی ہوئی چلم پینے لگا۔ مگر جیسے وہ زہر ہر لحظہ اس کی رگوں میں پھیلتا جاتا تھا۔ اس نے سو جانے کی کوشش کی مگر نیند نہ آئی۔ بلیوں کے پاس جا کر انھیں سہلانے لگا تو زہر مدہم پڑا۔ پھر چلم بھری مگر اس میں بھی کچھ مزانہ تھا۔ زہر نے جیسے احساس کو دبا دیا ہو جیسے نشے میں احساس یک طرفہ ہو جاتا ہے، جیسے پھیلا ہوا پانی ایک سمت میں ہو کر تیزی سے بہنے لگتا ہے وہی حالت اس کی ہو رہی تھی۔ اُسی مجنونانہ حالت میں وہ اندر گیا۔ ابھی دروازہ کھلا ہوا ہی تھا۔ صحن میں ایک طرف چٹائی پر پڑی ہوئی دھنیا سوتا سے دیہہ (بدن) دیوار ہی تھی اور دوبا جو روزنامہ ہوتے ہی سو جاتی تھی، آج کھڑی ہوئی گائے کا منہ کھلا رہی تھی۔ ہواری نے جا کر گلے کو کھونٹے سے کھول لیا اور دروازے کی طرف لے چلا وہ اسی دم گلے کو بھولا کے گھر پہنچانے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ اتنا

بڑا کلنک سر پرے کر دیا اب گائے کو گھس نہیں رکھ سکتا، کسی طرح نہیں!  
 دھنیانے پوچھا: کہاں لے جاتے ہو رات کو؟  
 ہواری نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا: لے جاتا ہوں بھولا کے گھر، لونا  
 دوں گا۔ دھنیانے تعجب ہوا، اٹھ کر سامنے آگئی اور بولی: لونا کیوں دو گے؟  
 لونا نے ہی کے لئے لائے تھے؟

”ہاں اس کے لونا ہی دینے میں کسل ہے۔“  
 ”کیوں بات کیا ہے؟ اتنے ارمان سے لائے اور اب لونا نے  
 جا رہے ہو، کیا بھولا روپیہ مانگتے ہیں؟“  
 ”نہیں، بھولا یہاں کب آئے۔“  
 ”تو پھر کیا بات ہوئی؟“  
 ”کیا کرے گی پوچھ کر؟“

دھنیانے ایک کر گائے کی رستی ہاتھ سے چھین لی۔ اس کی تیز عقل  
 نے گویا اڑتی ہوئی چڑیا کی طرحی۔ بولی: ”تمہیں بھائیوں کا ڈر ہو تو جا کر ان کے  
 پیروں پر دو، میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ اگر ہماری بڑھتی دیکھ کر کسی کی چھاتی  
 پھٹتی ہے تو پھٹ جائے، مجھے پرواہ نہیں ہے۔“

ہواری نے منکرانہ لہجے میں: ”دھیرے دھیرے۔ بولو مہارانی!  
 کوئی سنے تو کہے کہ یہ سب اتنی رات گئے لڑ رہے ہیں۔ میں اپنے کانوں سے  
 کیا کیا سن آیا ہوں، تو کیا جلنے؟ یہاں چر جا ہو رہا ہے کہ میں نے الگ  
 ہوتے سے رو پئے دبا لئے تھے اور بھائیوں سے کپٹ کیا تھا، وہی پڑے  
 اب بچل رہے ہیں۔“

”ہیرا کہتا ہو گا؟“

سارا گاؤں کہہ رہا ہے، اکیلے ہیرا کیوں بدنام کروں؟“  
 ”سارا گاؤں نہیں کہہ رہا ہے، اکیلے ہیرا کہہ رہا ہے۔ میں ابھی جا کر پوچھتی  
 ہوں تاکہ تمہارے باپ کتنے روپے چھوڑ کر مرے تھے؟ دارِ حسی جادوؤں کو  
 پیچھے تم بگڑ گئے، ساری زندگی (زندگی) مٹی میں ملا دی، پال پوس کر سنڈا  
 کیا اور اب ہم بے ایمان ہیں! میں کہے دیتی ہوں کہ اگر گائے گھر کے  
 باہر نکلی تو از قہ ہو جائے گا۔ رکھ لئے ہم نے روپے، دبا لئے اوزیچ  
 کھیت دبا لئے! ڈنکے کی چوٹ کہتی ہوں کہ میں نے ہنڈا بھر مہریں  
 چھالیں۔ ہیرا اور سو بھارا اور سنسار کو جو کرنا ہو کر لے۔ کیوں نہ روپے  
 رکھ لیں؟ دو دو سنڈوں کا بیاہ نہیں کیا، گونا نہیں کیا؟“

ہواری سٹپا گیا۔ دھینا نے اس کے ہاتھ سے رتی چھین لی اور  
 گائے کو کھونٹے سے بانڈھ کر دروازے کی طرف چلی۔ ہواری نے اُسے  
 بگڑنا چاہا مگر وہ باہر جا چکی تھی، وہیں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ باہر اُسے پکڑنے  
 کی کوشش کر کے وہ کوئی ٹانگ نہیں دکھانا چاہتا۔ دھینا کے غصے  
 سے وہ خوب واقف تھا، بگڑتی ہے تو جینڈی ہی بن جاتی ہے، مارو  
 کاٹو سنے گی نہیں۔ لیکن ہیرا بھی تو ایک ہی بگڑیل ہے، کہیں ہاتھ چلا  
 بیٹھے تو پرے (قیامت) ہی ہو جائے۔ نہیں، ہیرا اتنا مورکھ نہیں ہے  
 میں نے کہاں سے کہاں یہ آگ لگا دی۔ اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے  
 لگا۔ بات دل میں ڈال لیتا تو کیوں یہ کھیرا ہوتا؟ دفعتاً دھینا کی کرخت  
 آواز کان پڑی، ہیرا کی گرج بھی سن پڑی، پھر پنی کا تیرا لہجہ بھی دل میں  
 چبھا۔ یلک ایک اُسے گوبر کی یاد آئی۔ باہر پیک کر اس کی کھاٹ دیکھی تو وہ  
 وہاں نہ تھا۔ غضب ہو گیا۔ گوبر بھی وہیں پہنچ گیا، اب کسل نہیں۔ اُس کا

نیا کھون (خون) ہے، نہ جانے کیا کر بیٹھے۔ لیکن ہو رہی وہاں کیسے جاتے؟  
 ہیرا کہے گا کہ آپ تو بولتے نہیں اور اس ڈائن کو لڑنے کے لئے بھیج دیا۔  
 شور و مہم بڑھتا جاتا تھا۔ سارا گانوں جاگ پڑا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کہیں آگ  
 لگ گئی ہے اور لوگ چار پائیوں سے اٹھ اٹھ کر کھجانے کے لئے دوڑے  
 جا رہے ہیں۔ اتنی دیر تک تو ضبط کئے بیٹھا رہا، پھر نہ رہا گیا۔ دھنیا پر  
 غصہ آیا۔ وہ کیوں چڑھ کر لڑنے لگے؟ اپنے گھر میں آدمی نہ جانے کس کو  
 کیا کہتا ہے۔ جب تک کوئی منہ پر بات نہ کہے یہی سمجھنا چاہیے کہ اس  
 نے کچھ نہیں کہا۔ ہو رہی کی کسائی فطرت جھگڑے سے بھاگتی تھی۔ چار  
 باتیں سن کر غم کھا جانا اس سے کہیں اچھا ہے کہ آپس میں جھگڑا ہو،  
 کہیں مار پیٹ ہو جائے تو تھانہ پولیس ہو، بندھے بندھے پھر دسب  
 کی چوری بنتی کرو، عدالت کی دھول پھانکو کھیتی باڑی جہنم میں جاتے  
 اس کا ہیرا پر کوئی بس نہ تھا مگر دھنیا کو تول سے کھینچ لا سکتا ہے بہت  
 ہوگا گالیاں دے لے گی، ایک دو دن روٹھی رہے گی، تھانہ پولیس کی  
 نوبت نہ آوے گی۔ وہ جا کر ہیرا کے دروازے پر سب سے دور دیوار  
 کی دٹ میں کھڑا ہو گیا۔ ایک فوجی انسر کی طرح میدان میں آنے کے پہلے  
 حالات کو بخوبی سمجھ لینا چاہتا تھا۔ اگر اپنی جیت ہو رہی ہے تو کچھ بولنے  
 کی ضرورت نہیں۔ بار ہو رہی ہے تو فوراً کود پڑے گا۔ دیکھا تو وہاں بچاپو  
 آدمی جمع ہو گئے تھے، پنڈت دانا دین لالہ پیشری دونوں بٹھا کر چوگاؤں  
 کے کرتا دھرتا تھے، سبھی بچ گئے تھے۔ دھنیا کا پلہ ہلکا ہو رہا تھا اس  
 کی تندی راستے عامہ کو اس کے خلاف کئے دیتی تھی۔ وہ لڑائی کے فن  
 میں طاق نہ تھی، غیبت میں ایسی جلی گئی مسنار ہی تھی کہ لوگوں کی ہمدردی اس

سے دور ہوتی جاتی تھی۔

وہ گرج رہی تھی تو ہمیں دیکھ کر کیوں چلتا ہے؟ ہمیں کچھ کیوں تیری بچاتی بھتی ہے؟ پال پوس کر جوان کر دیا یہ اس کا انام (انعام) ہے؟ ہم نے نہ پالا ہوتا تو آج کہیں بھیک مانگتے ہوتے، روکھ کی چھانہ بھی نہ ملتی۔“

ہوئی کو یہ لفظ ضرورت سے زیادہ کڑے معلوم ہوئے۔ بھائیوں کو پالنا تو اس کا دھرم تھا، ان کے حصے کی جائداد بھی تو اس کے ہاتھ میں تھی کیسے نہ پالنا پوسنا؟ دنیا میں کہیں منہ دکھانے والا رہتا؟

میرا نے جواب دیا: ”ہم کسی کو کچھ نہیں جانتے، تیرے گھر میں کتوں کی طرح ٹکڑا کھاتے تھے اور دن بھر کام کرتے تھے۔ یہ جانا ہی نہیں کہ لڑکپن اور جوانی کیسی ہوتی ہے۔ دن دن بھر سوکھا گوبر اکٹھا کرتے تھے اس پر بھی تو بنادس گالی نئے روٹی نہ دیتی تھی۔ تجھ جیسی پسا چن کے پالے پڑ کر جندگی (زندگی) کڑوی ہو گئی۔“

دھینا اور تیز پڑی۔ ”جہان (زبان) سنھال، نہیں تو منہ سے باہر کھینچ لوں گی۔ پسا چن تیری عورت ہوگی، تو ہے کس پھیر میں مونڈی کالے ٹکڑا کھور (نمک حرام)!“

داتا دین نے ٹوکا: ”اتنا کڑا چن کیوں کہتی ہے دھینا؟ استری کا دھرم ہے کہ گم (غم) کھائے وہ تو اچھڑے، کیوں اس کے منہ لگتی ہو؟“ لالہ پیشری پٹواری نے تائید کی: ”بات کا جواب بات ہے۔ گالی نہیں۔ تو نے لڑکپن میں اسے پالا پوسا، پر یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ اس کی جائداد تیری ہاتھ میں تھی؟“

دھینا نے سمجھا کہ سب کے سب ملکر مجھے بچا دکھانا چاہتے ہیں۔







## (۵)

اُدھر گوبر کھانا کھا کر ابیرن ٹولے جا پہنچا۔ آج جھنیا سے اس کی بہت باتیں ہوئی تھیں۔ جب وہ گائے لے کر چلا تھا تو جھنیا اُدھے راستے تک اس کے ساتھ آئی تھی۔ گوبر تنہا گائے کو کیسے لے جاتا؟ اجنبی کے ساتھ جانے میں اُس کا بھڑکنا قدرتی تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد جھنیا نے گوبر کو بھید بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا: ”اب تم کا بے کو کبھی یہاں آؤ گے؟“

ایک روز پہلے تک گوبر کنوارا تھا۔ گائوں میں تینی نوجوان عورتیں تھیں وہ یا تو اس کی بہنیں تھیں یا بھادھیں۔ بہنوں سے تو کوئی چھیڑ چھاڑ ہو ہی کیا سکتی تھی؟ بھادھیں البتہ کبھی کبھی اُس سے ٹھٹھولی کیا کرتی تھیں مگر یہ محض تفریحاً ہوتا تھا۔ ان کی نگاہوں میں ابھی اس کے شباب میں صرورت پھول گئے۔ جب تک پھول نہ لگ جائیں اس پر ڈھیلے پھینکنا بے کار تھا۔ اور کسی طرف سے حوصلہ افزائی نہ پا کر اُس کا کنوار پن اس کے گلے سے پلٹا ہوا تھا۔ جھنیا کا خروم دل جیسے بھادھوں کے طنز و مذاق سننے اور بھی خواہشمند بنا دیا تھا، اس کے کنوارے پن ہی پر لچا اٹھا۔ اس کنوارے پن میں بھی پتے کے کھرٹکتے ہی کسی سونے ہوئے شکاری جانور کی طرح شباب جاگ اٹھا۔

گوبر نے کھلے سچلے پن کے ساتھ کہا: ”اگر بھکاری کو ملنے کا کسمرا ہو تو وہ دن بھر اور رات بھر داتا کے دوارے پر کھڑا رہے۔“

جھنیا معترضانہ لہجے میں بولی: ”تو یہ کہو کہ تم بھی مطلب کے یار ہو۔“

گوبر کی رگوں کا خون متحرک ہوا تھا، ”بولو“ بھوکا آدمی اگر ہاتھ پھیلائے

تو اسے چھٹا کر دینا چاہیے۔“

جھینا اور گھرے اتری بھکاری جب تک دس درواجے نہ جائے  
اس کا پیٹ کیسے بھرے گا؟ ایسے بھکاریوں کو منہ نہیں لگائی، ایسے تو گلی  
گلی ملتے ہیں۔ پھر بھکاری دیتا کیا ہے؟ اسیس! اسیسوں سے تو کسی کا  
پیٹ نہیں بھرتا۔“

کم فہم گور جھینا کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ جھینا چھوٹی ہی سی تھی، جب ہی سر  
گاڑوں کے گھر دودھ لے کر جایا کرتی تھی۔ سسرال میں بھی اسے گاڑوں کے  
گھر دودھ پہنچانا پڑتا تھا۔ آج کل بھی وہی بیچنے کا بار اسی پر ہے۔ اسے طرح  
طرح کے انسانوں سے سابقہ پڑ چکا تھا۔ دو چار روپے اس کے ہاتھ لگ جاتے  
تھے، گھڑی بھر کے لئے دل بہلاؤ بھی ہو جانا تھا مگر یہ خوشی جیسے ننگی کی چیز ہو۔  
اس میں اُمید نہ تھی، اشارہ تھا، اختیار نہ تھا۔ وہ ایسی محبت چاہتی تھی جس کے  
لئے وہ جسے اور مرے، جس پر وہ خود کو قربان کر دے! وہ مرث جگنو کی چک  
نہیں بلکہ چراغ کی تسقل روشنی چاہتی تھی۔ وہ ایک گرسٹ کی لڑکی تھی اور اس  
کے گرسٹ بن کو رنگین مزاجوں کی لگاؤ نہیں کچل نہ سکتی تھیں۔

گور نے پر شوق بشرے سے کہا: بھکاری کو ایک ہی دوارے پر  
بھر پیٹ بھیک مل جائے تو کیوں درد گھوے؟“

جھینا نے رحم سے اس کی طرف دیکھا، کتنا بھولا ہے، جیسے کچھ سمجھتا ہی  
نہیں، بولی: بھکاری کو ایک جگہ بھر پیٹ کہاں ملتا ہے؟ اسے تو ننھی ہی بھر  
ملے گا۔ سب کچھ تو جب ہی پاؤ گے جب اپنا بھی سب کچھ دو گے۔“

میرے پاس کیا ہے، جھینا؟“

تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ میرے لئے تمہارے

پاس جو کچھ ہے وہ بڑے بڑے لکھتی لوگوں کے پاس بھی نہیں۔ مجھے سے بھیک نہ مانگ کر مجھے مول لے سکتے ہو۔“

گو تر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

جھینیا نے پھر کہا اور جانتے ہو دام کیا دینا ہوگا؟ میرا ہو کر رہنا پڑے گا پھر کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے دیکھوں گی تو گھر سے نکال دوں گی!“

گو تر کو جیسے اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے چاہی ہوئی جبریل لگی۔ ایک عجیب غوف بھری خوشی سے اس کا عضو عضو بھر ڈک اٹھا۔ مگر یہ کیسے ہوگا جھینیا کو رکھ لے تو رکھتی (مدخلہ) کو لے کر گھر میں رہے گا کیسے؟ برادری کا جھنجھٹ تو ہے۔ سارا گانوں کا میں کائنات کرنے لگے گا۔ سب ہی دشمن ہو جائیں گے۔ اماں تو اسے گھر میں گھسنے ہی نہ دیں گے۔ مگر جب عورت ہو کر یہ نہیں درتی تو مرد ہو کر وہ کیوں ڈرے؟ بہت ہوگا لوگ اسے الگ کر دیں گے۔ وہ الگ ہی رہے گا۔ جھینیا جیسی عورت گانوں میں دوسری

کون ہے؟ کتنی سمجھ ماری کی باتیں کرتی ہے۔ کیا جانتی نہیں کہ میں اس کے لالک (لاحق) نہیں ہوں؟ پھر بھی مجھ سے محبت کرتی ہے، میری ہونے کو راجی (راضی) ہے۔ گانوں والے نکال دیں گے تو کیا دینا میں دوسرا گانوں میں ہی نہیں ہے؟ اور گانوں کیوں چھوڑے؟ اماں دین نے جمارن رکھ لی تو کسی نے کیا کر لیا؟ داتا دین دانت پس کر رہ گئے۔ داتا دین نے اتنا ضرور کیا کہ اپنا دھرم بچا لیا۔ اب بھی بنا اسنان (دانتان) پوچھا کتنے منہ میں پانی نہیں ڈالتے، دونوں جون اپنا کھانا آپ پکاتے..... ہیں اور اب تو الگ کھانا بھی نہیں پکاتے، داتا دین اور وہ ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ جھنجھری سنگھ نے باسنی (برہمنی) رکھ لی، ان کا کسی نے کیا کر لیا؟ ان کا جتنا آور تب تھا

اتنا اب بھی ہی تھک اور اذہک پہلے نوکری کھوجتے پھرتے تھے، اب اس کے روپنے سے مہاجن بن بیٹھے۔ ٹھکرائی کا رعب تو تھا ہی، مہاجن کا رعب بھی جم گیا۔ مگر پھر خیال آیا کہ کہیں جینیا نہیں نہ کر رہی ہو، پہلے اس کا اطمینان ہو جانا ضروری تھا۔

اس نے پوچھا: ”من سے کہتی ہو جھوٹا کہ کھالی (خالی) لاپٹ سے ہی ہو؟ میں تو تمہارا ہونچکا اب تم بھی میری ہوجاؤ گی؟“  
 ”تم میرے ہونچکے؟ کیسے جانوں؟“  
 ”تم جان بھی مانگو تو دے دوں۔“  
 ”جان دینے کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟“  
 ”تم سمجھا دنا۔“

”جان دینے کا مطلب ہی ساتھ رہ کر بناہ کرنا۔ ایک بار ہاتھ پکڑ کر عمر بھر بناہ کرتے رہنا، چاہے دنیا کچھ کہے، چاہے اس باپ، بھائی، بند، گھر دار سب کچھ چھوڑنا پڑے۔ منہ سے جان دینے والے بہتوں کو دیکھ چکی ہوں۔“  
 ”کی طرح پھول کا رس لے کر اڑ جاتے ہیں۔ تم بھی تو اسی طرح نہ اڑ جاؤ گے؟“  
 ”گوبر کے ہاتھ میں گائے کی رشتی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے جینیا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جیسے بکلی کے تار پر ہاتھ پا گیا ہو، سارا بدن بناہ کے ادھین سس سے کانپ اٹھا۔ کتنی نرم و نازک اور بھری ہوئی کلائی! جینیا نے اس کا ہاتھ ہٹایا نہیں، جیسے اس چھونے کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ پھر لمحہ بھر بعد سنجیدگی سے بولی۔ آج تم نے میرا ہاتھ پکڑا ہے یاد رکھنا۔“

”خوب یاد رکھوں گا جھوٹا اور مرتے دم تک بناہوں گا۔“